اسلام اور حقوقِ بشر

قائد ملت مولانا سید کلب جواد نقوی، جنرل سکریٹری مجلس علماء ہند

(۵)

کتاب الٰہی قرآن مجید اور احادیث پیغمبر اسلامؐ سے صراحتاً ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اور انتخاب کا حق اسے دیا گیا کہ اپنی عقل اور فکر کو استعمال کر کے حق تک پہنچے۔ انبیاءؑ اور رسولوںؑ کو حکم ہے کہ لوگوں کو حق کی دعوت دیں، مگر عقلی دلائل اور منطق کو بنیاد بنا کر۔ قرآن مجید میں ۳۰۰ سے زیادہ آیتیں لوگوں کو تعقل، تفکر اور تدبر کی دعوت دیتی ہیں۔ حکم الٰہی ہے کہ مجھے مانو، تسلیم کرو، مگر دلیل کے ساتھ۔ اندھی تقلید سے قرآن کریم نے جگہ جگہ منع فرمایا ہے۔ قرآن مجید اپنی بات کو زبردستی تھوپنے کا قائل اور حامی نہیں ہے، بلکہ اعلان کر رکھا ہے، ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ یہی میرا راستہ ہے اور میں بصیرت کے ساتھ خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں (سورہ یوسف: ۱۰۸) اسی طرح بے شمار روایتیں بھی اسی مضمون کی حامل ہیں۔ ارشاد رسولؐ ہے، ترجمہ: اللہ تعالیٰ علم کی جستجو کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اسی طرح سے حضرت علیؑ کا ارشاد ہے جہاں عقل ہے وہاں دین بھی ہے اور حیا بھی ہے'' اگر اللہ تعالیٰ کو جبر اور زبردستی منظور ہوتی تو وہ خود ہر انسان کو جبریہ طور پر مومن پیدا کرتا۔

انسان کی تخلیق میں عقل اور جذبات وخواہشات دونوں شامل ہیں اور یہی انسان کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؑ نے رسول اعظمؐ سے نقل فرمایا ہے کہ اللہ نے ملائکہ کی خلقت اس طرح سے فرمائی ہے کہ ان میں صرف عقل ہی عقل ہے اور خواہشات اور جذبات سے عاری ہیں اور جانوروں کو اس طرح سے تخلیق فرمایا کہ ان میں جذبات اور خواہشات ہی ہیں اور عقل سے محروم ہیں، مگر انسان عقل اور خواہشات وجذبات کا مرکب ہے۔ جب انسان کی عقل جذبات وخواہشات پر غالب آجاتی ہے تو وہ ملائکہ سے افضل ہوجاتا ہے، لیکن جب اس کے جذبات وخواہشات عقل کو مغلوب کر لیتے ہیں تو وہ جانوروں سے بھی پست ہوجاتا ہے۔ انسان کی حیات کی بقا کے لئے خواہشات وجذبات ضروری ہیں، مگر انہیں عقل کے تابع ہونا چاہئے۔ چالاک اور عیار سیاست دانوں کی یہی کوشش رہتی ہے کہ انسانوں کے جذبات کو بھڑکا دیا جائے تاکہ وہ صحیح طریقہ سے اپنی عقل سے کام نہ لینے پائیں اور ان کے اشاروں پر چلیں۔ کبھی مذہبی جذبات بھڑکائے جاتے ہیں تو کبھی لسانی جذبات اور کبھی ذات پات کو بنیاد بنا کر پبلک کے جذبات کو بھڑکایا جاتا ہے۔ پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ جب تک جذبات بھڑکے ہوئے ہیں، ان سے زیادہ سے زیادہ سیاسی فائدہ اٹھالیا جائے، قبل اس کے کہ جذبات ٹھنڈے پڑیں۔ آج کے دور میں سب سے کامیاب سیاستداں وہی ہے جو عوامی جذبات بھڑکا کر ان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا ہنر جانتا ہو، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان کے قتل کے بعد عوامی جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت علیؑ کی بیعت کے لئے لوگ آئے۔ موجودہ سیاست کا تقاضا تو یہی تھا کہ بھڑکے ہوئے جذبات سے اپنے مفاد میں استفادہ کیا جائے، مگر حضرت علیؑ نے سب کو واپس کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ ایک ہفتہ بعد آنا۔ ابھی کیونکہ تمہارے جذبات تمہاری عقل پر غالب ہیں، جب تمہاری عقل جذبات پر غالب آجائے تب فیصلہ کرنا۔ اس واقعہ

سے اس کر یہہ الزام کی بھی رد ہوجاتی ہے کہ قتل میں حضرت علیؑ کی مرضی شامل تھی کیونکہ اگر ہلکی سی بھی مرضی شامل ہوتی تو سب سے پہلے فائدہ اٹھانے والے خود علیؑ ہوتے۔ حضرت نے اپنی بیعت کے لئے کسی پر جبر نہیں کیا۔ تاریخ میں بڑے بڑے اصحاب کے نام ملتے ہیں، جنہوں نے بیعت نہیں کی۔ لوگوں نے کہا آپ اجازت دیجئے تو زبردستی انہیں آپ کے سامنے لے آئیں، تو فرمایا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ بہت سے لوگوں نے بیعت توڑ دی اور دشمنوں سے جا کر مل گئے۔ علیؑ نے انہیں کبھی روکنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ یہ وہ بات ہے جو آج کی متمدن دنیا بھی برداشت نہیں کرسکتی کہ ہمارا کوئی آدمی دشمن سے مل جائے۔

اسلام میں عقل سے کام نہ لینے والوں کے لئے جہنم ہے۔ جب کافروں سے پوچھا جائے گا کہ تم جہنم رسید کیسے ہوئے تو وہ جواب دیں گے ''اگر ہم نے سنا ہوتا یا عقل سے کام لیا ہوتا تو آج جہنم والوں میں نہ ہوتے'' (سورہ ملک: ۱۰) دوسرے مسالک کی کتابوں کے بارے میں تو میں نہیں بتا سکتا لیکن شیعہ مسلک کی ساری اہم کتابیں باب علم وعقل سے شروع ہوتی ہیں۔ رسول اسلامؐ اور اماموںؑ سے سیکڑوں حدیثیں علم وعقل کی اہمیت پر مل جائیں گی۔ ارشاد رسالت مآبؐ ہے، ترجمہ: ''تمام نیکیاں بذریعہ عقل حاصل ہوتی ہیں اور جہاں عقل نہیں وہاں دین نہیں'' (تحفۃ العقول، ص ۵۴) دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ترجمہ ''عقل کے وسیلہ سے دنیا اور آخرت دونوں حاصل ہوتے ہیں، جو عقل سے محروم ہے وہ دنیا اور آخرت دونوں سے محروم ہے''۔ ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ کچھ لوگ کسی شخص کی عبادتوں اور نیکیوں کی بہت تعریف کررہے تھے، رسولؐ اللہ نے دریافت فرمایا: ترجمہ ''اس کی عقل کا معیار کیا ہے؟ لوگوں نے حسرت سے کہا اے اللہ کے رسولؐ ہم اس شخص کی عباتوں اور بے انتہا نیکیوں کا ذکر کررہے ہیں اور آپ اس کی عقل کے بارے میں سوال کررہے ہیں۔ رسول اللہؐ نے جواب دیا: جتنی جس کی عقل زیادہ ہوگی، آخرت اور بارگاہ الٰہی میں اس کا درجہ اتنا ہی بلند ہوگا۔ اسی طرح امام رضاؑ کے لئے بھی ایسی ہی روایت ملتی ہے کہ کسی شخص کی عبادتوں کی تعریف ہورہی تھی۔ انہوں نے فرمایا: کیف عقلہٗ اس کی عقل کیسی ہے؟ لوگوں نے پوچھا عبادتوں کا عقل سے کیا تعلق؟ آپ نے فرمایا: ''جس کی جتنی عقل ہوگی اتنا اس کی عبادت کا ثواب ہوگا'' عقل کے معیار کے مطابق عبادتوں کا ثواب ہے۔ جس دین میں علم اور عقل کی اتنی اہمیت ہو وہاں زبردستی تبدیلیٔ مذہب کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

گذشتہ مضمون میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ اسلام میں جہاد دفاعی ہے، ابتدائی نہیں۔ اس سلسلہ میں چند قرآنی آیات کو بطور دلیل پیش کیا جارہا ہے ''اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کررہے ہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو، کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا'' (سورہ بقرہ، ۱۹۰) اس آیت کریمہ سے صاف ثابت ہے کہ اسلام میں جنگ دفاعی حیثیت رکھتی ہے اور بعض مفسرین کے خیال میں یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو اپنے دفاع کی اجازت دی جارہی ہے۔ آیت کے دوسرے جز میں تاکید ہے کہ صرف اتنا ہی دفاع کرو کہ جتنے کی ضرورت ہے۔ دفاع میں بھی زیادتی نہ کرو اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ یہ ہے اسلام کا نظام عدل وانصاف کہ دفاع کی بھی صرف اتنی ہی اجازت ہے کہ جتنا ضروری ہے۔ اسی طرح سورہ حج کی آیت کریمہ ہے کہ جس کے بارے میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ پہلی آیت ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے دفاع کی اجازت ملی ہے ''جن لوگوں سے مسلسل جنگ کی جارہی ہو، انہیں ان کی مظلومیت کی بنا پر جہاد کی اجازت دی گئی ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے'' (سورہ حج: ۳۹) یہ آیت بعثت رسالتمآبؐ کے تقریباً ساڑھے چودہ سال بعد نازل ہوئی۔ اس کا مطلب ہے اتنی مدت تک مسلمان کافروں اور مشرکوں کے ظلم برداشت کرتے رہے اور ان کو دفاع کی اجازت بھی نہ تھی۔ اس آیت سے قبل کی ۷۰ر آیتوں میں اللہ نے مسلمانوں کو دفاع سے بھی منع فرمایا تھا۔ جب ظلم حد سے بڑھ گیا اور مسلمانوں کی

مظلومیت اپنی انتہا پر پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دفاع کی اجازت دی۔ اس آیت سے پورے طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ اسلام میں جنگ کی نوعیت دفاعی ہے۔ دفاع کی اجازت ہے۔ حملہ میں ابتدا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۲۸/جنوری ۲۰۱۱ء)

(۶)

اس سے قبل کے مضمون میں جہاد کے موضوع پر بات ہوئی اور یہ بات ثابت ہوئی کہ اسلام پر یہ اعتراض سراسر غلط ہے کہ یہ دین غیر مسلموں کو برداشت کرنے کا قائل نہیں اور قرآنی حکم ہے کہ جہاں کافروں اور مشرکوں کو پاؤ قتل کردو۔ یہ تصور یا تو غلط معنی پر مبنی ہے یا جان بوجھ کر اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش ہے، جو نبیؐ، نبیؐ رحمت ہو، جس کی لائی ہوئی شریعت، شریعتِ رحمت ہو، جو اس کا نمائندہ ہو جو خود ارحم الراحمین ہے، اس کے لئے ہم کیسے یقین کرسکتے ہیں کہ اس کے ایک ہاتھ میں قرآن رہتا تھا اور ایک ہاتھ میں تلوار کہ یا تو مسلمان ہوجاؤ ورنہ سر قلم کردیا جائے گا۔ جو پتھر کھانے کے بعد بھی بدعا کے بجائے دعا دے رہا ہو "پالنے والے یہ مجھے پہچانتے نہیں ہیں، ان پر عذاب نازل نہ فرمانا۔ جو راستے میں کانٹے بچھانے والوں کو بھی برا نہ کہہ رہا ہو، جو فتح مکہ کے موقع پر قاتلوں کو معاف فرما رہا ہو اس سے ظلم و جبر کی توقع ہم کیسے کرسکتے ہیں۔

جہاد کے اصل معنی اسلحہ سے جنگ کرنے، لڑنے اور قتل کرنے نہیں، بلکہ 'جہاد' یا عربی کے کلمہ جُھد سے بنا ہے (جیم پر پیش) جس کے معنی محنت اور مشقت کے ہیں، یعنی کسی بھی راہ میں زحمت اور مشقت برداشت کرنا جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے کسی بھی کام کا محتاج نہیں ہے، وہ بے نیاز اور غنی بالذات ہے۔ پھر فی سبیل اللہ 'اللہ کی راہ میں' کے کیا معانی ہیں؟ علمائے کرام نے بتایا کہ جو کام رضائے الٰہی کے تحت بندوں کے لئے انجام دیا جائے وہ سبیل الٰہی ہے۔ اللہ پانی نہیں پیتا، اسے کھانے کی حاجت نہیں، مگر کسی پیاسے کو پانی پلا دیا یا کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیا تو اللہ فرماتا ہے کہ یہی میری راہ ہے۔ یہ تم نے اس کو نہیں مجھے پلایا، اسے نہیں مجھے کھلایا ہے۔ اگر کسی مستحق کے ہاتھ پر کچھ رقم رکھ دی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میری مدد کی ہے۔ ایک مسلمان کا فریضہ ہے کہ اگر کوئی بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلائے۔ اگر برہنہ ہو تو اس کے لباس کا اہتمام کرے، اگر بیمار ہو تو تیمارداری کرے، وقت مصیبت ساتھ دے چاہے وہ انسان کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعلان فرمائے گا: "میں بھوکا پیاسا اور بیمار تھا، لیکن تم لوگوں نے توجہ نہیں کی" بندے حیرت سے کہیں گے پالنے والے تو ہر شئے سے بے نیاز ہے تو یہ بات کیوں ارشاد فرمارہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آئے گا، میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، اگر تم اسے کھانا کھلاتے تو مجھے اپنے سے قریب پاتے۔ میرا فلاں بندہ پیاسا تھا، اگر تم اسے پانی پلا دیتے تو مجھے اپنے سے قریب پاتے۔ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، اگر تم اس کی تیمارداری کرتے تو مجھے اپنے سے قریب پاتے (صحیح مسلم) امام زین العابدینؑ جب کسی مستحق کو کچھ دیتے تھے تو پہلے اس رقم کو چومتے تھے پھر دیتے تھے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا: یہ مال اس کے ہاتھ میں نہیں جارہا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جارہا ہے۔ کسی نے امامؑ سے پوچھا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے، ہم کیا دیں؟ تو فرمایا ہونٹ تو ہیں، زبان تو رکھتے ہو، صرف مسکرا کر دیکھ لو، یہی صدقہ ہے۔ دو میٹھے بول، بول دو یہ بھی صدقہ ہے۔

یا لفظ جہاد عربی کے کلمہ جہد سے بنا ہے (جیم پر زیر) جس کے معنی مقصد کی راہ میں ساری طاقت صرف کردینا ہے، یعنی مشقت کافی نہیں ہے، بلکہ مقصد اور ہدف بھی ضروری ہے اور اسلام اور کمیونزم میں بنیادی فرق نہیں ہے کہ کمیونزم میں صرف مقصد اور ہدف کا صحیح ہونا کافی ہے۔ اس ہدف تک پہنچنے کا راستہ صحیح یا غلط کوئی بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ان کا مشہور مقولہ ہے end justifiles means یعنی اگر ہدف صحیح ہے تو کوئی بھی راستہ اختیار کرنا جائز ہے، مگر اسلام کا تصور اس سے

بالکل مختلف ہے۔ یہاں ہدف اور مقصد کے ساتھ ساتھ مقصد کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ بھی صحیح ہونا چاہئے، اسی لئے دہشت گردی ناجائز ہے، ممکن ہے کسی دہشت گرد کا مقصد صحیح ہو، مگر اس کے حصول کا جو راستہ اختیار کیا ہے وہ درست نہیں ہے، یہیں پر خودکش دھماکہ کرنے والے نوجوان دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ممکن ہے ان کا مقصد اور ہدف صحیح رہا ہو، مگر جس طریق کار کو انہوں نے اختیار کیا ہے، اس میں ۹۵ فیصد بے گناہ مارے جارہے ہیں۔ کبھی کبھی کچھ جوان پاکستان یا عراق میں پکڑے گئے جو کسی تکنیکی خرابی کی وجہ سے اپنے کو دھماکہ سے اڑا نہ سکے تھے تو دیکھا گیا کہ وہ غصہ اور مایوسی سے اپنی بوٹیاں نوچ رہے تھے کہ تم نے ہمیں کتنے بڑے ثواب سے محروم کردیا، ہمارے مولانا نے بتایا ہے کہ اس سے سیکڑوں کو مار کر مروگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں دسترخوان پر تمہارا انتظار کریں گے، جب اس سے کہا گیا کہ تمہارے اس خودکش دھماکہ سے سب بے گناہ مارے جاتے تو اس نے جواب دیا کہ ہمارے مولویوں نے بتایا، ان سارے بے گناہوں کو تو اللہ شہادت کا درجہ عطا فرمائے گا۔ کاش ان بھکے ہوئے گمراہ لوگوں کو کوئی اسلام کا یہ زریں اصول پہنچا دے کہ اسلام میں صرف مقصد کا صحیح ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ مقصد و منزل تک پہنچنے کا راستہ بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔

معاشرہ سے ناانصافی، ظلم، بے عدالتی اور دوسری برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کرنا بھی اسلام میں جہاد ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص اپنے اہل وعیال کی روزی روٹی کے لئے گھر سے باہر نکلتا ہے تو اس کی حیثیت مجاہد فی سبیل اللہ کی ہے اور اسے ہر قدم پر جہاد کا ثواب ملتا ہے۔ اس لئے ارشاد رسالت ہے ''**الکاد لعیاله کالمجاهد فی سبیل الله**'' ''اپنے اہل وعیال کی محنت ومشقت کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے'' اگر کوئی اپنی یا اپنے خانوادہ کی عزت یہاں تک کہ اپنی جائیداد کی حفاظت میں اپنی جان دے دے تو اس کو بھی وہی درجہ ہے جو میدان جنگ میں شہید ہوجانے والے کا ہے۔

مندرجہ بالا سارے معروضات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کے معنی قتل کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ یہ جہاد زبان سے بھی ہوسکتا ہے، قلم سے بھی، مال سے بھی اور اولاد سے بھی اور بدرجہ مجبوری تلوار سے بھی۔

(جاری)

(بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۱۱رفروری ۲۰۱۱ء)



بقیہ۔۔۔۔۔عیسوی سال نو کی آمد

جشن ۲۱رمارچ کو مناتے ہیں۔ ان کے علاوہ شیعہ فرقہ کے لوگ بھی ۲۱رمارچ کو نذر و نیاز کا پروگرام کرتے ہیں اور اس بات پر عیقدہ رکھتے ہیں کہ اسی دن حضرت علیؑ نے مسند خلافت سنبھالی تھی، لیکن یہ رسم چونکہ ایرانیوں کے یہاں سے آئی تھی، اس لئے نوروز صرف ایک دن کی رسم تک محدود رہا۔ ایرانی مہینوں کے نام تک کسی کو معلوم نہیں تھے، اس لئے نئے سال سے اس کو جوڑا نہیں جاسکا البتہ نوروز سے قبل تک عام طور پر لکھنؤ کے لوگ صحن میں یا چھت پر سوتے نہیں ہیں، برف کے پانی کا استعمال نہیں کرتے اور یہاں تک پنکھے بھی نہیں چلائے جاتے ہیں۔ ایران کے شمسی کیلیڈر کے پہلے مہینے فروردین کے پہلے دن کو نوروز کہا جاتا تھا، مگر ہندوستان میں بھلے ہی جشن نوروز ہوتا ہو شمسی کیلنڈر یہاں رائج نہیں ہوسکا اور یہاں انگریزوں کے آنے سے قبل تک صرف وکرم سموت اور ہجری کیلنڈر ہی چلا کرتے تھے۔

آزادی سے قبل سندھی فرقہ کے لوگ چیتی چند کا تہوار بڑے جوش وخروش سے مناتے تھے۔ یہی ان کے لئے نئے سال کا جشن تھا، یہ بھی چیت کے مہینے کا چاند دیکھ کر منایا جاتا تھا، اس لئے اس کو چیتی چند کہا جانے لگا۔ اس کے برعکس گجرات میں نیا سال کارتک شکلا کے مہینے میں منایا جاتا ہے، لیکن اب یہ سارے کیلنڈر، تقویم اور نئے سال کے پنچانگ پس پشت چلے گئے ہیں۔ ہندوستان کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں نئے سال کا جشم جم کر ہوتا ہے، موبائل پر میسج آنے کا سلسلہ تو ہفتہ بھر پہلے ہی سے شروع ہوجاتا ہے۔ جو لوگ نئے سال کا جشن نہیں مناتے ان کو بیک ورڈ اور پسماندہ سمجھا جاتا ہے، جو لوگ بوس وکنار، رقص وسرور کی محفلوں سے الگ رہتے ہیں، ان کو دقیانوسی کہا جاتا ہے، شراب کے جو دریا بہائے جاتے ہیں، ان میں نہ ڈوبنے والوں کو سماج کے ساتھ نہ چلنے والا مانا جاتا ہے، جو بدکاری میں ملوث نہ ہوں ان کو پچھڑا ہوا تسلیم کرلیا جاتا ہے اور جو آتش بازی نہ کرے اس کو کنجوس کہا جاتا ہے۔ بہرحال اب بے حیائی کے اس طوفان کی روک تھام ممکن نہیں اور نئی نسل کو اس کے عذاب سے محفوظ رکھنے کا بھی کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اللہ ہی خیر کرے اپنے ہندوستانی نوجوانوں کی۔۔۔۔۔!

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) ۲۹ردسمبر ۲۰۱۰ء)